# مشتاق احمد یوسفی کے دو پشتون کردار(ایک مطالعہ)

A Study on Two Pashtun Characters of Mushtaq Ahmad Yousafi

فرحانہ قاضی


## Abstract

*Charactersketch, Satire and Comedy are different genres and styles of literature, but a genius can easily merge two or more genres, without breaking rules, to create unique masterpieces. In this connection Mushtaq Ahmad Yousafi gave remarkable masterpieces to literature. In his book "Zarguzashth" he has portrayed a character by the name of "Khan Saif-ul-Malook Khan" and in another book "Aab-e-Gumm" he presented a character called "Haji Aurangzeb Khan" through this he has contributed in the array of charactersketch in world literature in general while in Urdu literature in particular. These two are not just characters but living, pulsating and sensitive human beings. Hence they become the living examples of Yousafi's art and craft. This article is based on the comparative study and analysis of these two characters (Khaakey).*



## کلیدی الفاظ (Key words)

مشتاق احمد یوسفی، خاکہ نگاری، مزاحیہ انداز تحریر، ہمدردانہ مگر فنکارانہ زاویہ نگاہ، لازوال انسانی پیکروں کی تشکیل۔


## تعارف

خاکہ نگاری اور طنز و مزاح ادب کے دو الگ شعبوں کے نام ہیں مگر بڑا فنکار اصناف کی روایتی حدود و قیود سے بالاتر ہو کر شہکار تخلیق کرتا ہے۔ ایسا ہی سحر کار اور جادو نگار نثر نگار اُردو ادب کو مشتاق احمد یوسفی کے نام سے ملا ہے جنہوں نے اپنی تحاریر کے ذریعے اُردو ادب کو لازوال شہپارے دیے ہیں۔ یوسفی کی کتاب "زرگزشت" میں پیش کردہ کردار "خان سیف الملوک خان" اور "آبِ گم" کا کردار "حاجی اورنگزیب خان" جن میں اول الذکر بینک میں یوسفی کے رفیق کار رہے ہیں اور آخر الذکر ان کے دائرہ احباب میں شامل ایک تاجر ہے، یہ دونوں روایتی انداز کے موضوعِ خاکہ کردار نہیں بلکہ دو مورتیاں ہیں جن میں یوسفی کے ہمدرد دل، فن کار، ذہین اور جادو بیان قلم نے برقی رو دوڑادی ہے۔ چنانچہ خاکہ نگاری کے اس بے مثل ہنر کے ذریعے اُنہوں نے اُردو ادب میں کلاسیکی معیار کا کام پیش کر کے عالمی ادبیات میں اضافہ ہی نہیں کیا بلکہ اپنا نام بھی لازوال اور آفاقی ادیبوں میں شامل کر دیا ہے۔

دراصل اُن میں لکھنے کی خداداد صلاحیت ہی موجود نہیں بلکہ ہنر کاری اور مشاقی کی خوبی بھی موجود ہے۔ گویا آمد اور آورد دونوں کو بروئے کار لانے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ یوسفی کے متذکرہ بالا دو کرداروں کے مطالعے اور تجزیے پر مبنی ہے۔

خاکہ نگاری اُردو ادب کی نوخیز مگر توانا اور بھرپور صنف ہے جس نے کم عرصے میں قبول عام کی سند حاصل کر لی ہے اور ادب سے دلچسپی رکھنے والے قاری کو ہی اپنی طرف متوجہ نہیں کیا بلکہ کئی قد آور اور منجھے ہوئے لکھاریوں کو بھی اپنی جانب متوجہ کر لیا ہے یہی وجہ ہے کہ مولوی عبدالحق سے لے کر دورِ حاضر کے اسد محمد خان وغیرہ کے ہاں اس صنف کے دلکش نمونے مل جاتے ہیں گویا ہر کسی نے اپنی صلاحیت و خوبی کے مطابق اس صنف پر طبع آزمائی کر کے اردو ادب کے سرمائے میں اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ ایک مشکل اور نازک فن ہے۔ اس سلسلے میں خلیق انجم کا کہنا بجا ہے:

> "خاکہ نگاری کا فن بہت مشکل اور نازک فن ہے اسے اگر نثر میں غزل کا فن کہا جائے تو غلط نہ ہو گا جس طرح غزل میں محدود الفاظ میں طویل مطالب ادا کرنے پڑتے ہیں ٹھیک اسی طرح خاکے میں بھی مختصر الفاظ میں پوری شخصیت پر روشنی ڈالنی پڑتی ہے وہ (خاکہ نگار) سوانح عمری میں سے زائد حصے کو اس طرح الگ کر دیتا ہے کہ شخصیت اپنے اصل روپ میں ہمارے سامنے آجاتی ہے"(۱)

دراصل خاکے کے ذریعے لکھاری کسی بھی شخص کی خوبیوں اور خامیوں کو اس بے ساختگی اور فطری انداز میں پیش کر دیتا ہے کہ پوری شخصیت کی تصویر کھنچ جاتی ہے حالانکہ لکھاری زندگی کے تمام تر واقعات و حالات اور سب کی سب عادات و اطوار کو ترتیب وار بیان نہیں کرتا مگر اسکے مختصر الفاظ ہی مکمل شخصیت کا احاطہ کرنے کو کافی ہوتے ہیں۔

اس حوالے سے دیکھا جائے تو آغاز سے دورِ حاضر تک جتنے بھی خاکہ نگار سامنے آئے ہیں ان کے لکھے ہوئے خاکے شخصیات کے خدوخال کا بیان اور وضاحت کرتے ہوئے ان کے اندرون اور نفسیات کا مطالعہ معلوم ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قاری کی دلچسپی اس صنف کی طرف بڑھتی جا رہی ہے۔

یوں تو کسی بھی صنف کے لیے تکنیکی اعتبار سے کچھ اصول گنوا کر انہیں حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا مگر بہر حال کسی صنف کے شہ پاروں کے تجزیے اور مطالعے سے کچھ ایسے نکتے اخذ کیے جا سکتے ہیں جن کی روشنی میں اس صنف کے لیے ایک تکنیکی ڈھانچہ ذہن میں تشکیل پانے لگتا ہے مثلاً جہاں تک خاکہ نگاری کا تعلق ہے چند ایک باتوں پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے جن کی تائید اس فن پر نگاہ رکھنے والے کم و بیش تمام ماہرین کرتے ہیں اور وہ درجہ ذیل ہیں:

۱۔ خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ اس کا انداز تاثراتی ہو اور وہ زیرِ نظر شخصیت کو اپنی نگاہ سے پرکھ کر جیسے پائے ویسے پیش کرے۔

۲۔ اس کا انداز غیر جانبدارانہ ہو یعنی وہ شعوری کوشش سے خوبیوں یا خامیوں کو نہ چھپائے اور نہ سامنے لائے بلکہ اس شخصیت کے چیدہ چیدہ عادات و اطوار کو ایسے انداز میں سامنے لائے کہ اس کے خدوخال واضح ہو جائیں چاہے اب خوبیاں

سامنے آئیں یا خامیاں۔

۳۔ غیر جانبدار ہوتے ہوئے بھی ایک نوع کی ہمدردی خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے یعنی زیر نظر فرد کو انسان سمجھ کر ہمدردانہ انداز سے پیش کرے اور انسانیت اور آدمیت کے احترام کا انداز ملحوظِ خاطر رہے۔

۴۔ اہم ترین شرط یہ ہے کہ وہ شخصیت سے معاشرتی سطح پر قریب ہو اور خلوت و جلوت میں اس کا مطالعہ کر چکا ہو۔

۵۔ یہ بھی ضروری ہے کہ موضوع بحث فرد حقیقت ہو لکھاری یعنی خاکہ نگار کے ذہن کی اختراع نہ ہو۔

۶۔ چونکہ خاکے میں تفصیل واقعہ کی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے خاکہ نگار کو اشاروں کنایوں میں بات کرنی ہوتی ہے مگر اس طرح کے شخصیت کے اہم نقوش اُبھر آئیں تاکہ متعلقہ فرد کا مکمل اور بھرپور جیتا جاگتا عکس سامنے آسکے۔

۷۔ اگرچہ حقیقی انداز ضروری ہے مگر معلومات کو جوں کا توں بھی بیان نہیں کیا جاسکتا بلکہ ادبی پختگی کے لیے خاکہ نگار کو ناگزیر صورت میں اپنے تخیل کو بھی استعمال کرنا ہوتا ہے۔

۸۔ مکمل خاکے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ موضوع بحث فرد کا حلیہ بھی بیان کیا جائے۔

ان باتوں کی مدد سے ہم جانچ سکتے ہیں کہ کوئی بھی خاکہ، خاکہ نگاری کے معیار پر کس حد تک پورا اُترتا ہے اور مزید اس میں کتنی بہتری کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ صرف یہی تکنیکی اصول ہی خاکہ نگاری کے لیے کافی نہیں بلکہ ان میں سے ایک ادھ کی کمی بیشی یا چند اور تکنیکی اُصولوں کی مدد سے بھی اچھا خاکہ لکھا جاسکتا ہے کیونکہ بہر طور خاکہ نگار لکھتے وقت کسی شعوری کوشش سے کسی صنف کے اصولوں کو سامنے رکھ کر نہیں لکھتا مگر یہ ضرور ہے کہ متذکرہ صنف سے گہری واقفیت اور تکنیک کی وضاحت اُسے لاشعوری طور پر انہی اصولوں کا پابند کئے رکھتی ہے جو اس صنف کے لیے عرصے سے موجود رہے ہوں اور قدماء نے ان کا التزام کیا ہو۔

خاکہ نگاری کی مخصوص تعریف کی روشنی میں بات کی جائے تو یقیناً مشتاق احمد یوسفی کی تحریروں میں باقاعدہ خاکے نہیں ملتے کیونکہ وہ ایک مکمل مزاح نگار یا پھر انشائیہ نویس کے طور پر ادب میں شہرت رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے مجموعوں میں اُردو کے کئی مشہور خاکہ نگاروں کی نسبت اچھی خاکہ نما تحریریں مل جاتی ہیں۔ عین ممکن ہے کہ شعوری طور پر ان کے ذہن میں یہ تحریریں لکھتے وقت یہ بات نہ ہو کہ وہ کسی فرد کا خاکہ لکھ رہے ہیں مگر بہر حال ان کی کتابوں "آب گم" اور "زرگزشت" میں ایسے کئی کردار نمایاں طور پر موجود ہیں جن کا مطالعہ خاکہ نگاری کے حوالے سے دلچسپ اور اہم ہے اور خوش کن بات یہ ہے کہ ان تحریروں سے چند ایسے نکتے نکلتے ہیں جو آئندہ خاکہ نگاری کی تیکنیک میں مدد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

یوں تو یوسفی کی تحریروں میں کئی ایک کرداری خاکے ملتے ہیں جن میں ہر ایک اپنی جگہ دلچسپ ہے مثلاً مرزا عبدالودود بیگ، پروفیسر قاضی عبدالقدوس، اینڈریسن (ان کا باس) نحاس کنجوپاشا، خلیفہ، بشارت وغیرہ، مگر ان کے دلچسپ اور خاکے کی تعریف پر پورے بلکہ ڈیوڑھے اترنے والے کردار ان کے پٹھان کردار ہیں جو "زرگزشت" کے خان سیف الملوک خان اور "آب

گم" کے حاجی اور نگزیب خان ہیں اور جن کا مطالعہ بے حد دلچسپ ہے۔

ذیل میں ان کرداروں کا تجزیہ کیا جارہا ہے تاکہ یوسفی کے ہاں خاکہ نگاری کے مضبوط اور توانا رجحان کا اندازہ لگایا جاسکے۔

**خان سیف الملوک خان:**

خان سیف الملوک خان کا کردار یوسفی کی کتاب "زرگزشت" میں پایا جاتا ہے جو خاکے کی تعریف پر پورا اترتا ہے اگرچہ دیگر خاکہ نگاروں کے خاکوں کی طرح یہ ایک ہی نشست میں پڑھا جانے والا مرتب و مربوط خاکہ نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً اس کا ذکر تحریر میں کیا گیا ہے مگر جب ان تمام حصوں کو ملا کر پڑھا جائے تو ایک خوبصورت خاکہ نما تحریر سامنے آتی ہے۔

یہ کردار ایک حقیقی شخص کا ہے جو یوسفی صاحب کیساتھ بنک میں ملازم تھا اور یوسفی صاحب کا ان سے بڑا قریبی تعلق رہا۔ خود یوسفی صاحب کا ان صاحب کے بارے میں کہنا ہے کہ ان کے باس نے چند معلومات کے حصول کے لئے اور تربیت کی غرض سے ان کو خان صاحب کی تحویل میں دے دیا تھا جس کا احوال وہ "زرگزشت" میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> "اور یوں ہم خان سیف الملوک خان کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ چھریرا بدن، چوڑا ہاڑ، کندھے قدرے خمیدہ جس کا سبب عجز و انکسار نہ تھا، چمپئی رنگ دھوپ سے سنولا چلا تھا، ناک گندھارا کے مجسموں جیسی، سارے دن آنکھوں سے مسکراتے رہتے، ستا ہوا، مگر شگفتہ چہرہ مضبوط ٹھوڑی پر کھلنڈرے بچپن کا بین الاقوامی ٹریڈ مارک یعنی چوٹ کا نشان کان جیسے کسی نے جگ کا ہینڈل لگا دیا ہو، سر پر قراقلی ٹوپی بڑے ٹیڑھے زاویئے سے پہنتے۔ اندر مانگ اس سے بھی زیادہ ٹیڑھی ہوتی تھی۔ منجھلے بریکٹ کو بہلا پھسلا کر چت لٹا دیا جائے تو ان کی مونچھ بن جائے، انگلیاں سگریٹ کے دھویں سے عنابی، اتنے لمبے تھے نہیں جتنے لگتے تھے، ہنسی آتی تو ایک دم کھڑے ہو جاتے، پھر وکٹ کیپر کی طرح رکوع میں چلے جاتے اور اپنے گھٹنے پکڑ کر گردن اٹھاتے اور وہیں سے مخاطب کی صورت دیکھ دیکھ کر قہقہے لگاتے رہتے، یہ ان کی خاص ادا تھی"۔(۲)

خان صاحب کا جو حلیہ یوسفی نے درج بالا الفاظ میں پیش کیا ہے مشکل ہے کہ اردو خاکہ نگاری میں اس کی مثال مل سکے یہاں تک کہ جو قد آور خاکہ نگار ملتے ہیں ان کے ہاں بھی ایسی حلیہ نگاری مفقود ہے جبکہ اس سے پہلے خاکے کی تیکنیک کے باب میں یہ بات ہو چکی ہے کہ حلیہ نگاری خاکے کے لیے ناگزیر جزو ہے یہی وجہ ہے کہ باقاعدہ خاکہ نہ ہونے کے باوجود یوسفی کی خاکہ نما تحریریں خاصے کی چیز ہیں۔

جہاں تک موضوع بحث شخصیت کا حقیقی ہونا ہے تو خان سیف الملوک خان کے بارے میں یوسفی صاحب کا استدلال تحریر میں اندرونی طور پر موجود ہے جیسے کہ "زرگزشت" میں وہ لکھتے ہیں کہ خان صاحب کو علی قلی خان نے بنک میں ملازم رکھوایا تھا اور یوسفی کا ان سے قریبی اور روزانہ کا تعلق تھا نیز کراچی میں بہار کالونی اور چاکیواڑے کے سنگم پر ان کا مکان تھا جہاں یوسفی کا آنا جانا رہا نیز وہ ان کے ساتھ شکار بھی کھیلتے رہے اور پھر جب ان کا تبادلہ بینک کی دوسری شاخ میں شمال مغربی سرحدی صوبے میں ہوا تو یہ میل

ملاقات نہ رہی لیکن جب یوسفی صاحب کسی دفتری ضرورت کے تحت نوشہرہ تشریف لائے تو خان صاحب سبکدوش ہو چکے تھے مگر مردان جو ان کا آبائی قصبہ تھا وہاں سے نوشہرہ یوسفی صاحب سے ملنے آئے یہ سب اندرونی شہادتیں نیز یوسفی صاحب کی اپنی گفتگو سے کئی دفعہ ان کے حقیقی ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔(۳)

خان سیف الملوک خان کی شخصیت کے خدوخال واضح کرنے میں یوسفی نے غیر معمولی پختگی اور فنکاری کو بروئے کار لا کر اسے ایک خوبصورت تحریر بنا دیا ہے جو انہی کی خوبی ہے ان کے جادو نگار قلم نے الفاظ میں زندگی کی رفق پیدا کر کے ایک جیتا جاگتا انسان ہمارے سامنے کچھ اس طرح پیش کر دیا ہے جو اپنی خوبیوں، خامیوں، معصومیت اور بشری خوبیوں، خامیوں، کمیبوں، کمزوریوں اور نفسیاتی گرہ کشائیوں کے باوجود ہمیں عزیز ہے اور ہم اس سے پیار کرنے پر مجبور ہیں۔

یعنی یہ یوسفی کا کمال ہے کہ انہوں نے ایک انمول ہیرے کو تراش کر ہمیں دے دیا ہے جس کی دلفریبی ہمارا دل موہ لیتی ہے اور ہم بے اختیار اس کی طرف کھینچ جاتے ہیں۔ خان صاحب سے اپنے الفاظ کے ذریعے ہماری ملاقات کراتے ہوئے یوسفی لکھتے ہیں کہ وہ خوبانی کو خربانی کہنے والا کثیر الزبان پشتون ہے جو ایک زبان سے دوسری زبان میں اس طرح گئیر بدلتا ہے کہ سننے والے کو خبر ہی نہیں ہوتی اس کی نفسیاتی گرہ کشائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اعزہ کے ہاتھوں ایسی تکلیف اٹھائے ہوئے تھے کہ جب ہم نے پوچھا آپ کے کتنے بھائی ہیں تو کہا کہ ایک برادان یوسف ہے۔ شخصیت کی کجی اور ضد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دروازہ اگر باہر کی طرف کھلتا تو ضرور اندر کی طرف کھولتے اور دروازہ کھل بھی جاتا۔ ہر وقت غصے میں رہتے اور ایسی ایسی طبع زاد اور برجستہ گالیاں دیتے کہ طبیعت صاف ہو جاتی۔

اس موقع پر یوسفی کی شخصیت شناسی اور پھر بیان کرنے کی صلاحیت اور فرد کی اندرونی پردہ کشائی اپنی مثال آپ ہے لکھتے ہیں:

> "پیش پا افتادہ، پامال مضامین اور بزرگوں کی گھڑی گھڑائی تراکیب سے احتراز کرتے، اپنی راہ الگ نکالی تھی کبھی کوئی بہت ہی نازیبا مضمون غیب سے نازل ہو جائے تو زبان کو آلودہ نہیں کرتے تھے، خط کوفی میں کاغذ پر لکھ کر ہمیں دکھا دیتے۔ گالیوں کی خطاطی کا اس سے بہتر نمونہ آج تک ہماری نظروں سے نہیں گزرا، ویسے مرنجاں مرنج اور محبتی آدمی تھے۔ بوائے سکاؤٹ کی طرح روزانہ کم از کم ایک نیکی علی الاعلان کرتے تھے۔ ایک دن کہنے لگے کہ کل رات میں نے ایک شخص کو بڑی بے عزتی اور ماں بہن کی گالیوں سے بچا لیا۔ پوچھا کہاں، کیسے، فرمایا، میں نے اپنے غصے کو کنٹرول کیا"(۴)

خان صاحب کی شخصیت کا نمایاں پہلو واضح کرتے ہوئے یوسفی بتاتے ہیں کہ انہیں شکار کا شوق تھا ہر اتوار کو شوق فرماتے چنانچہ یوسفی کو بھی اپنے ساتھ شکار کھلاتے رہے۔ اس دوران میں یوسفی نے ان کو مزید قریب سے سمجھنے کا موقع پایا۔ ان دنوں کے

واقعات بیان کرتے ہوئے ہی یوسفی نے خان صاحب کے خاکے میں وہ رنگ بھر دیئے ہیں جس کی بنیاد پر یوسفی کو ایک بلند پایا خاکہ نگار کے برابر میں جگہ دی جانی چاہیے۔

ان واقعات کے ذریعے یوسفی بتاتے ہیں کہ خان صاحب ایک سچے اور کھرے پشتون تھے جو غیرت اور شجاعت کو اپنا زیور سمجھتے ہیں چنانچہ یوسفی سے کہتے ہیں کہ جہاں آپ لوگ مجرے، مشاعرے اور آتش بازی سے کام لیتے ہیں وہاں ہم بندوق استعمال کرتے ہیں حتیٰ کہ فلم پسند آئے تو سنیما میں بھی گولیاں چلتی ہیں۔ نیز پشتونوں کی ایک عام روایت کا حوالہ بھی ملتا ہے یعنی خان صاحب کا تمباکو کی تمام مروجہ قسموں یعنی نسوار، حقے، سگریٹ وغیرہ سے دلچسپی۔

ایک اچھے خاکے کی ضرورت پوری کرتے ہوئے ان تحریروں میں موضوع بحث شخصیت کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات اور عادات وافعال کا ذکر بھی ملتا ہے مثلاً خان صاحب کی شعر وشاعری سے دلچسپی نہ رکھنے کا ذکر، ہنگامے، گرما گرمی اور صاف سیدھے طریقے سے ایک عملی آدمی کے طور پر مسائل کا حل، دوبدو لڑ جھگڑ یا ہاتھا پائی کر کے نکالنا، روزمرہ کی زندگی میں خان صاحب کے معمولات یعنی ہنسنا ہنسانا، قہقہے لگانا، ہنستے ہنستے مخاطب کے زانوں پر مار مار کر لال کر دینا، ایک کھرے پشتون ہونے کے ناطے گوشت خوری کی عادت اور دال پات اور سبزی وغیرہ سے عدم دلچسپی، نیز ہتھیار رکھنے اور استعمال کرنے کے شوقین، ہر ایک سے گرم جوشی سے ملنا، بالخصوص دوستوں پر قربان جانے والے، دوستی اور دشمنی کھل کر کرنے والے، پر خلوص اور بے ریا انسان ہونے کا ذکر یوسفی اس طرح کرتے ہیں کہ پوری شخصیت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور ہم خان سیف الملوک خان سے نہ ملنے کے باوجود بھی مل لیتے ہیں گویا ہم نے اپنی نظروں سے یہ سب دیکھا ہو اور بارہا ان سے ملے ہوں اور چونکہ ایک اچھے خاکے میں یہ سب کچھ ہی ہوتا ہے یا ہونا چاہے اس لیے یہ تحریریں خاکہ نہ ہوتے ہوئے بھی خاکہ کہلائی جاسکتی ہیں یا پھر کم از کم خاکہ نما تحریریں جن سے خاکے کی تیکنیک میں خاطر خواہ مدد ملنے کا امکان موجود ہے۔

عام طور پر توقع کی جاتی ہے کہ خاکہ نگار موضوع بحث شخصیت کی خلوت وجلوت کا نہ صرف جاننے والا ہو بلکہ اسے خاکے میں بیان بھی کرے تاکہ پوری شخصیت سامنے آسکے جیسا کہ اس ضمن میں امید یہ رکھی جاتی ہے کہ خوبیوں کیساتھ ساتھ خامیوں کو بھی احاطہ تحریر میں لایا جائے کیونکہ بلاشبہ کوئی بھی بندہ بشر مکمل خیر نہیں ہوتا اسی لیے فرشتہ صفت کردار کبھی بھی خاکے کا موضوع نہیں بن سکتا نہ ہی ایسی تحریر اچھا خاکہ کہلائے جانے کے قابل ہے کیونکہ کوئی انسان فرشتہ صفت ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا ضروری قرار پاتا ہے کہ لکھاری موضوعِ بحث فرد کو اندرون وبیرون خانہ اس طور سامنے لائے کہ اس کی کمزوریاں بھی پردے میں نہ رہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس کا انداز ہمدردانہ ہو تاکہ اس کی کمزرویوں سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد بھی ہمیں وہ انسان ہی لگے، اُس پر شیطان کا ٹھپہ نہ لگنے پائے۔

اس حوالے سے یوسفی کی تحریروں کا تجزیہ کریں تو بھی اُن کے منجھے ہوئے فنکار ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے مثلاً وہ خان صاحب کی شخصیت کے بظاہر کمزور پہلو اور ان کی خامیوں کا ذکر کرتے ہیں مگر انداز اتنا اچھا اور نگاہ اتنی ہمدردانہ ہے کہ ہمیں خان

صاحب اور زیادہ پیارے اور عزیز لگنے لگتے ہیں، ان سے تنفر اور دوری محسوس نہیں ہوتی۔ لکھتے ہیں:

"طبع آزاد صوم وصلوٰۃ کی پابند نہ تھی۔ ماہ صیام میں ہمارے ساتھ سٹیشنری رُوم میں چائے پیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں ذرا یہ قباحت ہے کہ سحری اور افطاری کرنے سے لنچ اور ڈنر کی اشتہا میں فرق آجاتا ہے"۔

ہم نے پوچھا حضور نے کبھی کھانا قضا بھی کیا؟ فرمایا "ہاں! بارہ سال پہلے تین روزے رکھے تھے۔ ہر ایک بات پر تکرار۔ جس سے دیکھو گالی گفتار، اس کو جھڑکا، اس کو ڈانٹا اور تو اور، اپنے باس کے طمانچہ مار دیا کہ روزہ رکھتا ہے، نماز کیوں نہیں پڑھتا؟ اس کے بعد دونوں روزوں سے تائب ہوئے، چوتھے روزے سے باسی عید تک ایک ایک کے گھر جا کر فرداً فرداً معافی مانگتا رہا۔ اب مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ ہر ایرے غیرے کی ٹھوڑی میں ہاتھ دے دے کر معافیاں مانگتا پھروں"۔(۵)

آپ نے دیکھا کس طرح یوسفی نے بظاہر شخصیت کی کجی کی وہ توجیہہ پیش کی کہ ہمیں بجائے نفرت کے خان صاحب سے ان کے سچے کھرے پن کی وجہ سے مزید انس محسوس ہونے لگتا ہے اور یہی ایک اچھے خاکہ نگار کی خوبی ہے جو کہ اُردو کے کئی باقاعدہ اور مستند خاکہ نگاروں کے ہاں بھی موجود نہیں جبکہ یوسفی کی ان باقاعدہ خاکہ نہ ہونے اور نہ کہلائے جانے والی تحریر میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یوسفی میں ایک اچھے خاکہ نگار کی فنکاری اپنی حدوں کو چھوتی ہوئی موجود ہے اور ان کا جادو گر قلم اس فن میں بھی اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ سکتا ہے۔

عام طور پر خاکہ نگار ایک سیدھے سادھے اور بیانیہ انداز میں موضوع بحث کردار کو واضح کرتا چلا جاتا ہے اور بالآخر ایک منطقی انجام تک لا کر بات ختم کر دیتا ہے جس کی ہمیں توقع ہوتی ہے کیونکہ اس نے خاکہ شروع کرتے ہوئے جو تاثر قائم کیا ہوتا ہے اسی کو آخر تک قائم رکھتا ہے مگر یوسفی کا کمال یہ ہے اور یہ خوبی ان کے مزاح نگار ہونے کے رہینِ منت بھی ہے کہ وہ موضوع بحث فرد کو مزاح کے فریم میں رکھ کر اس کی تصویر نمایاں کرتے جاتے ہیں مگر آخر میں ایک چھونکا دینے والی بلکہ چونکانے سے زیادہ اندرون تک کو چھیرتی ہوئی سنجیدگی سے شخصیت کا آخری اور مستقل تاثر بیان کر دیتے ہیں کہ قاری ایک سحر میں جھکڑ لیا جاتا ہے۔ یہ تکنیک بہت فنکاری کے ساتھ انہوں نے اپنے کرداروں میں استعمال کی ہے۔ زیر نظر شخصیت کے آخری تاثر کے طور پر جب وہ لکھتے ہیں کہ برسوں گزرنے کے بعد نوشہرہ میں خان صاحب سے ملاقات ہوتی ہے تو بظاہر ایک بدلی ہوئی مگر بباطن ویسی ہی دلربا شخصیت کا سامنا ہوتا ہے اور قاری تادیر ایک کیفیت میں ڈوبا رہتا ہے اور یہ یقیناً یوسفی صاحب کے جادو گر قلم کا کمال ہے۔ یوسفی صاحب کا یہ کمال ان کے اپنے الفاظ میں دیکھئے:

"غصے کی لالی چہرے سے رخصت ہوئی تو خان صاحب کو دیکھ کر کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وقت نے کیسی عمارت ڈھائی تھی۔ دوبارہ آنکھ بھر کر دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ بہت سوچا کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں۔ آخر

یہ مشکل انہوں نے آسان کر دی۔ کہنے لگے "ہائے یوسفی صاحب! یہ آپ کو کیا ہو گیا؟ وہ ہمارا دلدار کہاں گیا؟"(۶)

اور پھر ایک پُر سوچ سنجیدگی کا تحفہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رخصت ہونے لگے تو ملیشیا کی قمیص پر موتیوں کی مالا بکھر گئی۔ ابدالی (بندوق) پر سر ٹیک کر کہنے لگے: بچے سب گھر بار کے ہوئے، وقت ناوقت ہوا چاہتا ہے۔ منزل اب دور نہیں۔ بابا نے مجھ سے یہ بندوق پہلے پہل چلوائی تھی تو میری عمر سات سال تھی۔ ۵۴ سال کی سنگی ساتھی ہے۔ اس نے بہت دکھ بٹائے ہیں۔ کبھی کبھی موہوم سی خواہش ہوتی تھی کہ اسے میرے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے لیکن کل رات خیال آیا آپ سے پہلی دفعہ وطن میں ملاقات ہو رہی ہے۔ آپ کو "اینٹیک" جمع کرنے کا شوق بھی ہے۔ ایک دوست، ایک پٹھان کی طرف سے یہ تحفہ قبول کر لیجیے۔ مانا کہ بے مصرف ہے"۔(۷)

اُردو کے باقاعدہ خاکہ نگاروں کے برعکس یوسفی کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ موضوع بحث شخصیت کی کسی خوبی یا پھر کسی تعریفی و توصیفی جملے پر تحریر ختم کرنے کی بجائے اپنا تاثر بیان کر دیتے ہیں اور ایک ماہر فنکار کی طرح آخری ضرب لگا کر شخصیت کا مجسمہ مکمل کر دیتے ہیں۔ بغیر یہ فیصلہ کیے کہ وہ فرشتہ تھا، شیطان تھا یا خدا بس بحیثیت انسان جیسا یوسفی نے اسے پایا اس کا نچوڑ اور مغز تین چار سطروں میں اس خوبصورتی سے لکھ جاتے ہیں کہ ہم کئی لمحوں تک کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہتے بس پیش کردہ شخصیت اور یوسفی کے الفاظ کے طلسم میں مقید ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا خان سیف الملوک کے بارے میں بات ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

"زندگی نے انہیں کیا دیا؟ کچھ بھی تو نہیں۔ اپنے علاوہ کچھ بھی تو نہیں مگر ہاں جینے کا ایک نرالا بانکپن۔ ہر حال میں خوش رہنے اور خوش رکھنے کا حوصلہ، دلداری اور دلسوزی کا ایک سلیقہ انہوں نے اپنی کج کلہی سے زیست کو معتبر اور محترم بنا دیا۔

۔۔۔۔ اب جو غور کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنی تنگی، اتنی محرومی اور ایسی تنہائی کے باوجود کتنے مطمئن اور مسرور تھے، کتنی خوشیاں، کیسی کیسی خوشبوئیں بکھرتے چلے گئے کہ آج دامن میں نہیں سماتیں۔ پھول جو کچھ زمین سے لیتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ اسے لوٹا دیتے ہیں"۔(۸)

**حاجی اورنگ زیب خان آڑھتیان و سوداگران چوب ہائے عمارتی**

مشتاق احمد یوسفی کے پیش کردہ کرداروں میں ایک اور اہم کردار بھی ایک پشتون کا ہے جو لکڑی کا کاروبار کرنے والا بنوں کا رہائشی ہے۔ یہ اصل میں ان کے قریبی دوست کا تعلق دار ہے اور بے حد توانا اور بھرپور انداز میں یوسفی کی کتاب "آبِ گم" میں اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔

"آب گم" دراصل کہانی کی طرز پر لکھے ہوئے خاکوں کا مجموعہ ہے۔ ان خاکوں کی تعداد پانچ ہے جس میں سے ایک کا عنوان "کار، کابلی والا اور الہ دین بے چراغ" ہے۔ یہ دراصل ایک کھٹارا گاڑی، ایک غیر تعلیم یافتہ پٹھان تاجر اور ایک بڑ بولے ڈرائیور کا طویل خاکہ ہے جو یوں تو آغاز تا انجام دلچسپ اور اہم ہے مگر بالخصوص پٹھان آڑھتی جو کہ در حقیقت بنوں سے تعلق رکھنے والے پشاور کے رہائشی ہیں۔ اس ضمن میں یہ بھی اہم ہے کہ یہ دراصل یوسفی صاحب کے ایک قریبی دوست کے عزیزوں میں سے تھے۔ مگر اس غیر معروف فرد کو بھی یوسفی نے اپنے جادو گر قلم سے اردو ادب اور بالخصوص خاکہ نگاری کی دنیا میں لازوال بنا دیا ہے۔

خاکہ نگاری کی تاریخ اور پھر اردو میں اس کے سرمائے پر نظر ڈالی جائے تو احساس ہوتا ہے کہ زیادہ تر خاکے معروف و مشہور اور نامور لوگوں کے لکھے گئے ہیں جن سے عوام کو ایک نوع کی دلچسپی ہوتی ہی ہے، کم از کم اتنی ضرور کہ اگر ان کے حوالے سے کوئی تحریر جو اگر خاکے کے نام سے ہو تو ضرور قارئین کی توجہ حاصل کرتی ہے کہ عوام ان نامور لوگوں سے بطور فرد واقفیت حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور ان کے خلوت و جلوت سے باخبر ہونا چاہتے ہیں لیکن اس کے برعکس اگر زیر نظر شخصیت غیر معروف ہو تو خاکہ نگار کو قدرے مشکل صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور دوگنی کوشش کرنی پڑتی ہے تاکہ قاری تحریر میں دلچسپی محسوس کر سکے کم از کم اتنی تو ضرور جو اسے تحریر کی طرف راغب کر سکے اور وہ اس کا مطالعہ کرنے پر مجبور ہو جائے۔

اُردو میں اس قسم کی کامیاب کوشش مولوی عبدالحق کے ہاں نظر آتی ہے۔ مولوی صاحب نے اپنے خاکوں میں جہاں نامور اور معروف شخصیات کو جگہ دی ہے وہاں "نام دیو" اور "نور خان" جیسے غیر معروف افراد پر لکھ کر انہیں اردو دنیا سے متعارف کروادیا ہے۔ اس سلسلے میں دوسری کامیاب کوشش یوسفی کی ہے خود اُن کا ان عام کرداروں پر لکھنے کے بارے میں کہنا ہے:

> "میں نے زندگی کو ایسے ہی لوگوں کے حوالے سے دیکھا، سمجھا، پرکھا اور چاہا ہے۔ اسے اپنی بد نصیبی ہی کہنا چاہیے کہ جن 'بڑے' اور 'کامیاب' لوگوں کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، انہیں بحیثیت انسان بالکل ادھورا، گرہ دار اور یک رُخا پایا۔ کسی دانا کا قول ہے کہ جس کثیر تعداد میں قادر مطلق نے عام آدمی بنائے ہیں۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں بنانے میں اسے خاص لطف آتا ہے، وگرنہ اتنے سارے کیوں بناتا اور قرن ہا قرن سے کیوں بناتا چلا جاتا ہے۔ جب ہمیں بھی یہ اتنے ہی اچھے اور پیارے لگنے لگیں تو جاننا چاہیے کہ ہم نے اپنے آپ کو پہچان لیا"۔(۹)

اپنے آپ کو پہچان لینے اور ان عام لوگوں سے پیار کرنے کا نتیجہ ہے کہ یوسفی نے "آبِ گم" میں ایسے افراد کو موضوع بنایا ہے جنہیں ہم کسی اور حوالے سے نہیں جانتے مگر یوسفی کی زبانی ان کرداروں سے واقفیت حاصل کر لینے کے بعد ہمیں ایسا نہیں لگتا کہ یہ ہم سے دور ہوں بلکہ لگتا ہے یہ ہمارے آس پاس ہمارے ارد گرد ہی موجود ہیں جیتے جاگتے سانس لیتے بولتے چالتے۔

ایسا ہی چہکتا بولتا ہنستا ہنساتا کردار حاجی اورنگ زیب خان کا ہے۔ اپنی منفرد اور نمایاں خوبی یعنی حلیہ نگاری کو بروئے کار لاتے ہوئے یوسفی حاجی صاحب کا حلیہ جثہ اور قد کاٹھ یوں بیان کرتے ہیں

"خان صاحب وجیہہ اور بھاری بھر کم آدمی تھے۔ قد تقریباً ساڑھے چھ فٹ، جسے کلاہ اور طرے سے ساڑھے سات فٹ بنا رکھا تھا، مگر آٹھ فٹ کے لگتے تھے اور یہی سمجھ کر بات کرتے تھے۔ صحت اور کاٹھی اتنی اچھی کہ عمر کچھ بھی ہو سکتی تھی۔ تن و توش کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہتھے والی کرسی پر جیسے تیسے ٹھنس کر بیٹھ تو جاتے، لیکن جب اٹھتے تو کرسی بھی ساتھ اٹھتی، سنہری مونچھیں اور ہلکی براؤن آنکھیں، بائیں رخسار پر زخم کا ہلالی نشان جو اگر نہ ہوتا تو چہرہ ادھورا دکھائی دیتا۔ انگشت شہادت دوسری پور سے کٹی ہوئی۔۔۔ ان کی کٹی ہوئی انگلی بھی ہماری ثابت انگلی سے بڑی تھی۔ پاس اور دور کی نظر خاصی کمزور تھی لیکن عینک لگانے سے حتی الامکان احتراز کرتے۔ صرف چیک پر دستخط کرنے اور گالی دینے کے بعد معتوب کے چہرے پر اس کے اثرات دیکھنے کے لیے پاس کی عینک لگا لیتے اور اتارنے سے پہلے جلدی جلدی اسی سے دور کی چیزیں دیکھنے کی کوشش کرتے۔۔۔ آنکھوں میں شوخی کی ہلکی سی تحریر، کھل کر ہنستے تو چہرہ انار دانہ ہو جاتا، چہرے پر ہنسی ختم ہونے کے بعد اس کی اندرونی لہروں سے بہت دیر تک ہچکولے کھاتا رہتا۔ اصلی زری کی کلاہ پر پکڑی کا ہاتھ بھر اونچا کلف دار طرہ زخمی انگوٹھے کی طرح ہمہ وقت کھڑا ہی رہتا تھا، گہرا براؤن ترکش کوٹ، "تلے" کا پشاوری چپل جس میں ہمارے دونوں پیر آگے پیچھے آجائیں۔ لامتناہی گھیر کی سفید شلوار۔ خان صاحب نہایت بارعب، جامہ زیب، پچھلی صدی کے آدمی دکھلائی دیتے تھے"۔(۱۰)

اتنا مفصل اقتباس دینے کا مقصد یہ ہے کہ یوسفی کی حلیہ نگاری کی خاصیت واضح ہو سکے اور بتایا جاسکے کہ کئی بڑے باقاعدہ خاکہ نگاروں کے ہاں جو چیز موجود نہیں وہ اپنی انتہائی صورت میں یوسفی کی خاکہ نما تحریروں میں موجود ہے۔

علاوہ ازیں ان تحریروں کی ایک اہم خوبی صاحبِ خاکہ کی عادات و اطوار اور حرکات و سکنات نیز عقائد و نظریات کا بے لوث اور بے ساختہ بیان بھی ہے۔ حاجی اورنگزیب خان عرف کابلی والا کے کئی دلچسپ فضائل یوسفی نے اپنی فنکارانہ مگر رواں نثر میں اس مہارت سے پیش کر دیے ہیں کہ خان صاحب ہمیں ایک بے جان کردار نہیں ایک متحرک فرد محسوس ہوتے ہیں۔ مثلاً ان کے مضبوط اعصاب، خوش خوراکی بلکہ بیسار خوراکی، ہتھیاروں کا شوق، گالیاں دینے کی عادت، وقفوں وقفوں میں چہل قدمی، فطرت کے قریب رہنا اور پسند کرنا، رچی بسی طبیعت، سوجھ بوجھ اور شائستہ مزاج ہونے کا ذکر ایسے انداز میں کرتے ہیں کہ بے اختیار ان کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

دراصل یوسفی کا قلم الفاظ نہیں لکھتا بلکہ قاری کی انگلی پکڑ کر اسے متذکرہ کردار کے ساتھ ساتھ قدم قدم چلاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کو مناظر دکھاتا ہے، کانوں کو سنواتا ہے، دل و دماغ کو محسوس کراتا ہے بغیر یہ بتائے کہ یہ اچھا ہے اور یہ برا، بلکہ صرف احترام آدمیت اور انسانیت کا احساس زندہ رکھتے ہوئے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے پیش کردہ کردار اور افراد ہمیں معصوم اور عزیز لگنے لگتے ہیں۔ اپنی تمام تر کجیوں، کمیوں اور کمزوریوں کے باوجود اور پھر حقیقت تو یہ ہے کہ خاکے کے لیے تو موضوع بحث شخصیت میں

کجی اور کسی نہ کسی کمزوری کا ہونا اچھا ہی نہیں ضروری بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خان صاحب کی شخصیت میں موجود کجیوں کو یوسفی صاحب نے بے حد دلکشی سے برتا ہے اور ایک ایسے کردار سے ہماری ملاقات کرائی ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن ہے، نہایت دلچسپ اور مکمل زندہ اور سچا انسان دکھنے والا۔ یوسفی کا کمال یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق کبھی ایک آدھ جملے اور جہاں کہیں ضرورت ہو وہاں قدرے تفصیل کے ساتھ خان صاحب کی شخصیت کے مختلف زاویوں کو بیان کرتے ہوئے یوسفی ایک کامیاب خاکہ نگار کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کہ خاکہ نگار اپنے فن کی نزاکت کو سمجھنے میں کوئی نہ کوئی کمی کر دیتا ہے اور واقعات و معاملات یا پھر کرداری اور شخصی خدوخال کے چناؤ میں کوتاہی یا غلطی کر بیٹھتا ہے جس کے باعث صاحب خاکہ کا صحیح اور مکمل تاثر نہیں بن پاتا مگر یوسفی کے ہاں ایسا نہیں بلکہ وہ ایسے واقعات کا چناؤ کرتے ہیں اور شخصیت کے وہ گوشے اجاگر کرتے ہیں جو اپنی جگہ بالکل درست اور مکمل ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قاری اپنے سامنے ایک چلتے پھرتے فرد کو دیکھتا ہے اور یہی کیفیت حاجی اورنگزیب خان کے خاکے میں ہے۔ چنانچہ آغاز سے اختتام تک ہر سطر ہر واقعہ حتیٰ کہ ہر جملہ اپنی جگہ انتخاب ہے اور کسی حصے کو زائد یا کم اہم نہیں کہا جا سکتا۔ ذیل میں چند ایک مختصر اقتباسات درج کیے جا رہے ہیں تاکہ یوسفی کی اس خوبی کی وضاحت ہو سکے۔

> "فرماتے تھے جہاں کوہستانی ہوائیں اور بندوق کی آواز نہ آئے وہاں مردوں کو نیند نہیں آتی"۔(۱۱)
>
> "کلوروفارم سونگھنے کو وہ مردوں کی شان کے خلاف سمجھتے تھے۔ لہٰذا بغیر کلوروفارم کے آپریشن کرایا۔ آپریشن سے پہلے کہا کہ میرے منہ پر کس کے ڈھاٹا باندھ دو"۔(۱۲)
>
> شادی ایک ہی کی۔ یک گیر و محکم گیر کے قائل تھے۔ بیوی نے عاجز آ کر کئی بار ان سے کہا کہ دوسری کر لو تاکہ اوروں کو بھی چانس ملے"۔(۱۳)
>
> "بات کتنی ہی غیر متعلق اور چھوٹی سی ہو، خان صاحب اس کی پچ میں بڑے سے بڑا نقصان اٹھانے کے لیے تیار رہتے تھے۔ درگزر اور سمجھوتے کو انہوں نے ہمیشہ شیوہ مردانگی کے خلاف جانا۔ اکثر فرماتے کہ جو شخص خون خرابہ ہونے سے پہلے ہی سمجھوتا کر لے اس کے لیے پشتو میں بہت بُرا لفظ ہے"۔(۱۴)
>
> "دیکھو صیب! گالی گفتار کرنی ہے تو مجھے خان صاحب مت کہو۔ حاجی صاحب کہہ کے گالی دو تاکہ مجھے اور تمہیں دونوں کو کچھ غیرت تو آئے"۔(۱۵)
>
> کراچی کے پھیروں نے خان صاحب کو ہفت زبان بنا دیا تھا۔ ہمارا مطلب ہے اُردو فارسی اور گجراتی کے علاوہ چاروں علاقائی زبانوں میں روانی سے گالی دے سکتے تھے۔ حتی الدشنام، اپنے معتوب کے درجات اسی کی مادری زبان میں بلند کرتے البتہ کہیں عجز زبان یا جھول محسوس فرماتے یا مخاطب زیادہ بے حیا ہوتا تو آخر میں اس کے تابوت میں پشتو کی میخ ایسی ٹھونکتے کہ کئی پشتوں کے آر پار ہو جاتی"۔(۱۶)

"خان صاحب مخلص، مجلسی اور محبتی آدمی تھے۔ بحث میں کتنی ہی گرما گرمی ہو جائے، دل میں ذرا میل نہیں رکھتے تھے۔ خان صاحب کو دوسرے دن یہ یاد نہیں رہتا تھا کہ کل کیا کہا تھا"۔(۱۷)

"مجھے آئے اتنے دن ہو گئے، کراچی میں ایک دنگا فساد نہیں ہوا۔ کیا یہاں رشتہ دار نہیں رہتے؟ کیا یہاں سب ایک دوسرے کو یتیم لاوارث سمجھ کر معاف کر دیتے ہیں؟"(۱۸)

"میں نے دل میں کہا، بدبختا میں نے گالی دی ہے نصیحت تو نہیں کی جو یوں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دی"۔(۱۹)

"جس آدمی کو جنگل کی خوشبو آتی اور بھاتی رہے وہ کبھی کسی کی غلامی اور محکومی نہیں کرے گا"۔(۲۰)

"اگر کھانا بدمزہ ہو یا مرچیں زیادہ ہوں تو موڈ بگڑ جاتا۔ نماز قضا کر دیتے۔ فرماتے کہ دل کا حال جاننے والے کے سامنے مجھ سے تو جھوٹ نہیں بولا جاتا۔ کس دل سے بارہ مرتبہ الحمد اللہ کہوں"۔(۲۱)

"اگر آپ کا دشمن آپ کو لائق قتل نہیں گردانتا تو اس سے زیادہ بے عزتی کی بات نہیں ہو سکتی"۔(۲۲)

"محبت اور نفرت دونوں کا اظہار خان صاحب "ویٹ لفٹنگ" سے کرتے۔ مطلب یہ کہ بحث میں ہار جائیں تو حریف کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیتے اور اگر مدت کے بچھڑے دوست مل جائیں یا ہم جیسے ناقابل رشک قدو قامت والے نیاز مند سلام کریں تو مصافحے کے دوران ہمیں اس طرح ہلاتے جھنجوڑتے جیسے پھل دار درخت کی شاخ کو جھڑ جھڑاتے ہیں"۔(۲۳)

"سچ بات کہنے میں خان صاحب اتنے ہی بے بس تھے جتنے ہم آپ چھینک کے معاملے میں"۔(۲۴)

"کبھی کبھی تو ایسا لگتا کہ خان صاحب محض تفنن طبع اور خوش وقتی کے لیے معاملے کو طول دے رہے ہیں وگرنہ وہ سیر چشم، دوست نواز، وسیع القلب اور فراخ دست آدمی تھے"۔(۲۵)

"ایک طرف تو خان صاحب کی حساب فہمی کی یہ انتہا کہ ایک پائی چھوڑنے میں ان کی پختو پر حرف آتا تھا۔ دوسری طرف محبت و پاسداری کا یہ عالم کہ جہاں بشارت کا پسینہ گرے وہاں ان کے دشمن کا خون بہانے کے لیے تیار"۔(۲۶)

غرض ایسے اور اس طرح کے کئی واقعات اور کرداروں کی زبان سے ادا کیے ہوئے جملے ہیں جن سے نہ صرف اس کردار کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ خود یوسفی صاحب کی نفسیاتی گرہ کشائی بھی ہو جاتی ہے اور دراصل ہوتا بھی یوں ہے کہ خاکہ نگار بطور انسان جن اقدار و روایات اور جن نظریات و عقائد نیز شخصی اوصاف کو عزیز رکھتا ہے انہیں ہی موضوع بحث فرد میں ڈھونڈتا ہے اور یہ عمل لاشعوری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کرداروں میں جو شخصی خوبیاں بیان کی جا رہی ہیں خود یوسفی صاحب میں یہ سب موجود ہیں یا وہ انہیں اہم اور عزیز گردانتے ہیں اور پھر بالخصوص اپنے پشتون کرداروں میں جو دلکش اور دل کو چھو لینے والی معصومیت، حساسیت اور انسانی اقدار کی پاسداری ان کے قلم نے زیب قرطاس کی ہے وہ ان کا اپنا خاصا بھی تو ہیں اور ان کی تحریروں کے انداون میں موجود

محرک قوت بھی۔

بہر حال ان کرداروں کے مطالعے سے اس نقطے پر پہنچا جاسکتا ہے کہ مشتاق احمد یوسفی ایک باقاعدہ خاکہ نگار نہ ہونے کے باوجود اپنی ان دو کتابوں یعنی "زرگزشت" اور "آبِ گم" میں خاکہ نگاری کی خوبصورت مثالیں دینے میں کامیاب ہوئے ہیں اور اس لیے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان میں ایک کامیاب خاکہ نگار کی رمق پائی جاتی ہے جو کہ اُردو خاکہ نگاری کے لیے ایک خوش آئند بات ہے۔ چنانچہ ان تحریروں کو پڑھ کر ہم خاکے کے فن کے حوالے سے درج ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

۱۔ یوسفی کا کمال یہ ہے کہ وہ بے لاگ مگر فنکارانہ انداز میں نیز بے ساختہ اور رچے ہوئے اسلوب میں شخصیات کے اندرون اور بیرون کا وہ نقشہ پیش کر دیتے ہیں جو خاکہ نگاری کی اولین ضرورت ہے۔

۲۔ حلیہ نگاری کے معاملے میں ان کا قلم ساحرانہ مہارت رکھتا ہے گویا الفاظ میں تصویر بنا کر رکھ دیتے ہیں بلکہ اپنے الفاظ کے ذریعے ایک مجسمہ بنا کر اس میں برقی رو دوڑا دیتے ہیں۔

۳۔ ایک اچھے خاکہ نگار کی خوبی ان میں بدرجہ اتم موجود ہے یعنی غیر جانبدارانہ مگر ہمدردانہ انداز میں صاحب خاکہ کے مثبت اور منفی پہلو بیان کرنا مگر اس طرح کے ہم ان دونوں حوالوں کو قبول ہی نہیں کر لیتے بلکہ اس قدر سے محبت کرنے لگتے ہیں اور وہ ہمیں پیارا لگنے لگتا ہے بطور ایک انسان کے اپنی ہر کمزوری سمیت اور پھر بے شمار خوبیوں کے ساتھ بھی بالکل انسان ہی، فرشتہ نہیں اور یہی ایک اچھے خاکہ نگار کی خوبی ہے۔

بہر حال مشتاق احمد یوسفی کے قلم میں موجود خاکہ نگاری کی صفت اپنی نوعیت کی ایک منفرد چیز ہے جسے ان کے حساس دل و دماغ اور ان کی انسان دوستی نے مثالی بنا دیا ہے۔ گویا سید ضمیر جعفری کے الفاظ میں:

> "یوسفی کی جس ادا پر میں بطور خاص فریفتہ ہوں وہ ہے اس کی اچھائی، محبت، یوسفی اپنے کھیت میں نفرت، کدورت یا دشمنی کا بیج بوتا ہی نہیں"۔(۲۷)

اس پوری بحث کا نچوڑ اور لب لباب یہ ہے کہ مشتاق یوسفی کے ہاں دیگر کرداروں کی طرح یہ دو پشتون کردار بھی اُن کی فنکاری اور فنی مہارت کے شہکار کے طور پر سامنے آئے ہیں اور ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یوسفی نے دنیا اور اہل دنیا سے رچ کر پیار کیا ہے جبھی تو وہ ایسے کردار پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جیسا کہ اُن کے بارے میں پروفیسر جیلانی کامران لکھتے ہیں:

> "مشتاق احمد یوسفی کی تحریروں سے کرداروں کی ایک متنوع اور بڑی تعداد بھی ظاہر ہوتی ہے جو جیتے جاگتے لوگوں کے پیکروں سے تشکیل ہوئی ہے۔ ان میں کوئی شخص ایسا نہیں جو بُرا دکھائی دے اور جس کے ساتھ چند لمحے گزارنے میں قاری کو کوئی عذر ہو۔ مصنف کے وسیع مطالعے کے پیشِ نظر ان کرداروں میں بعض جانے پہچانے کرداروں کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے لیکن گمان ہوتا ہے کہ مشتاق احمد یوسفی کے قبضہ

قدرت میں آجانے کے بعد دوسری ادبیات کے ماڈل کردار بدل گئے ہیں اور جو کردار سامنے آیا ہے وہ اپنی ہی مٹی کا بنا ہوا شخص دکھائی دیتا ہے۔"(۲۸)

حرف آخر کے طور پر ان دو کرداروں کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ یوسفی کے دیگر کرداروں کی طرح یہ دو پشتون کردار بھی خود یوسفی کی ذات کا پرتو معلوم ہوتے ہیں اور اس طرح یہ بیان درست معلوم ہوتا ہے کہ خاکہ نگار موضوع بحث شخص کے تناظر میں دراصل خود کو دیکھتا ہے یعنی وہ صاحب خاکہ کے جن اوصاف کی طرف دھیان دیتا ہے اور اُنہیں احاطہ قلم میں لاتا ہے وہ یا تو اُن کو خود میں دیکھنا چاہتا ہے اور یا پھر یہ کہ وہ چیزیں پہلے سے ہی اُس میں موجود ہوتی ہیں یعنی بحث کا حاصل یہ ہوا کہ وہ شخصیت میں سے اُنہی اقدار کا چناؤ کرتا ہے جو بطورِ شخص اُسے خود عزیز ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیف الملوک خان اور حاجی اورنگزیب خان یوسفی ہی کا عکس معلوم ہوتے ہیں اُن سے الگ نہیں جیسا کہ طارق حبیب اپنی کتاب میں یوسفی کے کرداروں کی بابت لکھتے ہیں:

"جتنے بھی کردار انہوں نے تخلیق کیے ہیں وہ دراصل ان کی اپنی ہی ذات سے متعلق ہیں، کوئی ان کی داخلی کیفیات کا غماز ہے، تو کوئی خارجی زندگی کا مظہر، کوئی ان کا Innerself ہے تو کوئی Outerself اور کوئی ان سب کا ملغوبہ (اور مغلوبہ) ہے۔"(۲۹)

## حواشی

۱۔ خلیق انجم، عبدالحق کی خاکہ نگاری، فن اور تنقید، ص۳۷۱۔۳۷۰

۲۔ مشتاق احمد یوسفی، مجموعہ مشتاق احمد یوسفی "سرزرگشت"، جہانگیر بکس، کراچی، ۲۰۱۰، بار سوم، ص۹۰

۳۔ بحوالہ پروفیسر روبینہ شاہین، جامعہ پشاور، شعبہ اُردو، پشاور (لیکچر)

۴۔ مشتاق احمد یوسفی، مجموعہ مشتاق احمد یوسفی "سرزرگشت"، ص۹۳۔۹۲

۵۔ ایضاً　　ص۱۲۰

۶۔ ایضاً　　ص۱۲۴

۷ ایضاً　　ص۱۲۴

۸ ایضاً　　ص۱۲۳

۹ ایضاً　　مجموعہ مشتاق احمد یوسفی، "آبِ گم"　ص۲۱

۱۰ ایضاً　　ص۱۷۹۔۱۸۰

۱۱ ایضاً　　ص۱۸۰

۱۲　ایضاً　ص۱۸۱

۱۳　ایضاً　ص۱۸۱

۱۴　ایضاً　ص۱۸۳

۱۵　ایضاً　ص۱۸۵

۱۶　ایضاً　ص۱۸۵

۱۷　ایضاً　ص۱۸۶

۱۸　ایضاً　ص۱۸۹

۱۹　ایضاً　ص۱۸۹

۲۰　ایضاً　ص۱۹۳

۲۱　ایضاً　ص۱۹۳

۲۲　ایضاً　ص۱۹۶

۲۳　ایضاً　ص۱۹۸

۲۴　ایضاً　ص۱۹۹

۲۵　ایضاً　ص۲۰۴

۲۶　ایضاً　ص۲۰۴

۲۷　فلیپ، مجموعہ مشتاق احمد یوسفی (کلیات)

۲۸　پروفیسر جیلانی کامران مضمون: "مشتاق احمد یوسفی اور عظیم ادب کی نشوونما" مشمولہ مشتاق احمد یوسفی "چراغ تلے سے آبِ گم تک"، مرتبہ طارق حبیب، ص۲۰۴

۲۹　طارق حبیب یوسفیات (مشتاق احمد یوسفی۔ سوانح، فکر اور فن)، ص۱۴۹

## کتابیات


۱۔　خلیق انجم　فن اور تنقید۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۲۔　طارق حبیب (مرتب) یوسفیات (مشتاق احمد یوسفی۔۔۔ سوانح فکر اور فن)، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء

//　//　مشتاق احمد یوسفی، "چراغ تلے سے آبِ گم تک" الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء

۳۔　مشتاق احمد یوسفی،　مجموعہ مشتاق احمد یوسفی (کلیات)، جہانگیر بکس کراچی، ۲۰۱۰ء